شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مئی 2009ء جمادی الاولیٰ / جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ | شمارہ نمبر ۵ | جلد نمبر ۱ | قیمت 10 روپے

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی	(بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر	(چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی	(لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن	(نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی	(چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد	(ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی	(لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی	(لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف	(سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری	(پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی	(سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد	(راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راو	(سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی	(کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر	(اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز	(جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف	(حسن ابدال)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی	(شکار پور)

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن.........................افادات: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ ۲
درسِ حدیث.................................مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ ۲
اداریہ...مدیر اعلیٰ ۳
محنت کشوں کے حقوق اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا فکر..........محمد عباس شاد ۳
دین اور اجتماعیت................................ پروفیسر قاری تاج افسر ۴
خطبہ جمعۃ المبارک..................................مفتی عبدالخالق آزاد ۵
دینی مسائل..مفتی عبدالغنی قاسمی ۶
ملفوظات شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ.................................. ۷
امام شاہ ولی اللہ کے بیان فرمودہ اقتصادی اصول...............مولانا محمد میاںؒ ۷
قانونِ عدل وانصاف کی اہمیت...........................ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن ۸
حضرت اقدس رائے پوری کا دورہ بہاولپور.......................سید فرمان شاہ ۸

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

برائے رابطہ

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
فون: 0092-42-6307714/6369089
Web:www.rahimia.org

درسِ قرآن

افادات: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ قدس سرہٗ

حقِّ معیشت میں عدل ومساوات

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً ۗ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۗ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (۲۹: البقرہ)

ترجمہ: ’’وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے، جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کردیا اُن کو سات آسمان اور خدائے تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے‘‘۔

اس آیت میں ایک نعمت یہ بیان فرمائی کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں (مطعومات، مشروبات، ملبوسات اور ہر چیز کے لئے آلات وسامان) اُس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے، جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اس آیت کی تفسیر میں اپنی کتاب ’’ایضاح الادلۃ‘‘ میں فرماتے ہیں:

’’جملہ اشیائے عالم (کائنات کی تمام چیزیں) بدلیل فرمان واجب الاِذعان:

’’هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعاً‘‘

(وہ ذات کہ جس نے تم تمام کے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں)

تمام بنی آدم کی مِلک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے تمام انسانیت کی تمام احتیاجات کو پورا کرنا ہے۔ اور کوئی شئی بذاتِ خود کسی کی مملوکِ خاص نہیں بلکہ ہر شئی اصل خلقت میں تمام انسانیت میں مشترک ہے۔ اور من وجہ (ایک پہلو سے) سب کی مملوک (ملکیت میں) ہے۔ ہاں (البتہ) جھگڑے کو ختم کرنے اور نفع کے حصول کی وجہ سے قبضہ کو علتِ مِلک مقرر کیا گیا اور جب تک کسی شئی پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی ہے، اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا۔ ہاں خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کردے۔ کیوں کہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حاجت سے بالکل زائد مالِ کثیر جمع رکھنا بہتر نہ ہوا۔ اگرچہ اس کی زکوٰۃ بھی (کیوں نہ) اداء کردی جائے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام وصلحائے عظام اس سے بغایت (انتہا درجہ) پرہیز کرتے رہے۔ چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے بلکہ بعض صحابہ وتابعین (مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ) وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمادیا۔ بہرکیف غیر مناسب وخلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ ضرورت سے زائد سرمایہ سے اس (قابض) کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی ملکیت ایک لحاظ سے اس میں موجود (ہے) تو گویا مال جمع کرنے والا مذکورہ شخص ایک لحاظ سے غیر کے مال میں قابض ومتصرف ہے۔ اور اس کا حال بعینہٖ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہئے۔ وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت وحصولِ انتفاع ’’بقدرِ حاجت‘‘ ہر کوئی مالِ مذکور سے نفع اُٹھا سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا) سو اس کی تاکید احسان ومہمان نوازی اور انسانیت کی احتیاجات کو دور کرنا وغیرہ، اسی وجہ پر مبنی معلوم ہوتی ہیں اور ارشادِ خداوندی:

’’انما الصدقات للفقراء والمساكين......الٰى آخر الآية‘‘ (۹:۶۰)

(ترجمہ: ’’زکوٰۃ جو ہے وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا‘‘ الٰی آخرہٖ)

بھی اسی جانب اشارہ کرتا ہے، اور ’’لام‘‘ کے اصلی معنیٰ میں بلاوجہ تصرف کرنا خلافِ انصاف ہے‘‘۔

(ایضاح الادلہ، صفحہ ۲۵۵، مطبوعہ، مطبع قاسمی، مدرسہ اسلامیہ دیوبند، باہتمام مولانا حبیب الرحمٰن، مہتمم دارالعلوم دیوبند)

درسِ حدیث

تشریح: مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ

مال ودولت کے پُجاری کا انجام

عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

لعن عبد الدینا ر وعبد الدراھم .

ترجمہ: ’’حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

’’دینار کا بندہ لعنت کا سزاوار ہے اور درہم کا بندہ لعنت کا سزوار ہے‘‘۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الرقاق، الفصل الثانی)

ہادیٔ برحقؐ کے اس قسم کے ارشادات پر اس دور میں غور کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کیوں کہ ماحول ایسا قائم ہوگیا ہے کہ جس کو دیکھو روپیہ پیسہ زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کے چکر میں پھنسا ہوا ہے اور اس کا یہ شوق دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے وہ تیار ہی نہیں ہوتا۔ یہ حدیثیں اس لئے پیش کی جارہی ہیں کہ بار باران پر غور وفکر کرنے سے شاید زاویۂ نگاہ میں تبدیلی آجائے اور ہمارے عوام وخواص مال ودولت کی صحیح حیثیت کو سمجھ لیں، اس حقیقت سے کسی کو اختلاف نہیں کہ ہر ایک کی روزانہ کی ضرورتیں پوری ہونی چاہئیں۔ اور ان ضرورتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ روپیہ پیسہ ہے، لیکن جب ایک شخص کی ضرورتیں پوری ہوجائیں اور پھر وہ دوسروں کی ضرورتوں کو خیال کئے بغیر اپنے گھر میں روپے پیسے کا انبار لگاتا چلا جائے۔ تو اسے یہی کہنا چاہیے، کہ وہ دوسروں کو بھوکا ننگا رکھنا چاہتا ہے، جس چیز سے دوسرے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، وہ اس نے روک رکھی ہے۔ ضرورت منداس کے کام کرتے ہیں، اس کی ٹہل سیوا اور خدمت کرتے ہیں یہاں تک کہ منت اور خوشامد تک کرتے ہیں، مگر یہ لوگ اسے دھتکار دیتے ہیں اور روپیہ چھوڑ، پیسہ تک دینا نہیں چاہتے۔

اگر یہ مالدار لوگ یہ کہیں کہ اس مال کے ہم مالک ہیں اور یہ ہماری اپنی محنت کی کمائی ہے، کسی کو حق نہیں کہ اس کے کمانے اور بڑھانے سے ہمیں روکے، ہمیں فقط زکوٰۃ کا حکم ہے، وہ ہم دے دیں گے۔ اس کے بعد ہم آزاد ہیں، جتنا چاہیں اور جس طرح چاہیں اکٹھا کریں۔ تو انہیں اس حدیث پر غور کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ارشاد ہے کہ ’’دینار کا بندہ اور درہم کا بندہ ملعون ہے‘‘ یعنی اس پر پھٹکار ہے۔ دینار سونے کے سکہ کو اور درہم چاندی کے سکہ کو کہتے ہیں۔ لعنت کے معنیٰ ہیں کہ انسان اطمینان، اصلی خوشی، حقیقی چین اور آرام سے محروم ہوجائے، جب تک وہ اپنے اس مردم آزار (انسان دشمن) رویہ سے سچے دل کے ساتھ توبہ نہ کرے گا اور اس کے فعل سے جو اللہ کی مخلوق کو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی نہ کرے گا، اسے نہ دنیا کی بھلائی حاصل ہوگی نہ آخرت کی۔ کسی کا بندہ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس کے حکم کی تعمیل کے لئے اس کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور جو وہ کہے وہ کرے۔ آج کل جو شخص پیسہ کے جمع کرنے میں دل وجان سے لگا ہوا ہے، اس کے سوا اسے کوئی فکر نہیں کہ جس طرح ہو، روز بروز اس کی جمع میں اضافہ ہوتا رہے۔ وہ پیسے کا غلام ہے، اس کی عبادت، اس کی دعائیں اور اس کی کوششیں سب اس لئے ہیں کہ کسی طرح اس کا پیسہ بڑھے۔

اس حدیث میں ایسے شخص کے لئے لعن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں اس کے لئے تعس فرمایا ہے۔ یعنی ہلاک ہوا۔ دونوں یہ بتا رہے ہیں کہ ایسے شخص کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ ایسا شخص عموماً بخیل ہوتا ہے اور اگر خرچ بھی کرتا ہے تو فقط یہ سوچ کر کہ آئندہ یہ روپیہ دُگنا ہوجائے۔

غرض اس کا کوئی معاملہ لامحدود تجارتی نفع کی سکیم سے خالی نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے، دوسرے لوگ اس کا روپیہ مفت میں پاتے ہیں۔ اور وہ خود دائمی بے چینی اور اضطراب میں غرق ہوجاتا ہے۔ کیا اچھا ہو! کہ ہم دولت سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کے فوائد کی راہ میں رُکاوٹ نہ بنیں، دولت کو اپنی زندگی کا مقصد اور قبلۂ حاجات نہ بنالیں۔

انصاف پر مبنی مستحکم معاشی نظام

وقت کی ضرورت اور تقاضہ

کسی معاشرہ میں بسنے والے انسانوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک مستحکم معاشی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشرے اسی وقت ترقی کرتے ہیں جب ان میں ایسا منصفانہ معاشی نظام قائم ہو جو افراد کی حاجات کی تکمیل کے لئے معاشی وسائل کو فروغ دینے اور ان کی درست تقسیم میں بنیادی کردار ادا کرے۔ ایسے نظام کی عدمِ موجودگی معاشروں میں بحران کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور مخصوص طبقات کے معاشی مفادات، کمزور لوگوں کے معاشی حقوق کو پامال کر دینے کا باعث بنتے ہیں۔ وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم سے معاشروں میں طبقات پیدا ہو جاتے ہیں اور بالا دست طبقات عام انسانوں کی معاشی محنتوں کا استحصال کرتے ہیں اور یوں معاشرہ میں غربت و افلاس کا سبب بنتے ہیں۔ آج اگر ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت بدیہی طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہمارا ملک غلامی کے زمانہ سے طبقاتی معاشی نظام کی گرفت میں ہے۔ سامراجی تسلط کے زمانہ میں یہاں جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام قائم کیا گیا۔ جس کی بنیاد لوٹ کھسوٹ، ظلم و استحصال، بدعنوانی اور بد دیانتی، مراعات یافتہ طبقات کی بالا دستی، کمزور لوگوں کے ساتھ ناانصافی پر ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارا معاشرہ ملکی ضروریات کے مطابق معاشی وسائل حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ پیداواری عمل کے فروغ کی حکمتِ عملی ناقص ہے۔ زراعت، صنعت اور تجارت جیسے بنیادی معاشی شعبے ترقیات سے محروم ہیں۔ ان ذرائع سے اتنے وسائل دستیاب نہیں ہوتے کہ قومی خود کفالت کا حصول ممکن ہو۔ پھر جو وسائل دستیاب بھی ہیں، ان کی تقسیم منصفانہ نہیں ہے۔ بلکہ گروہی اور طبقاتی مفادات کی اسیر ہے۔ جس سے عام انسان کی معاشی زندگی محرومیوں کا شکار ہے۔ وہ غربت و افلاس کی تصویر ہے۔ اور بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہے۔ اس کی مزدوری اور محنت کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا، اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ وہ اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انہیں استعمال کر سکے۔ اس طرح مہنگائی کے عفریت نے اسے اپنے شکنجہ میں جکڑ لیا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں اس بات کی بڑی ضرورت تھی کہ ہمارے سنجیدہ اور باشعور لوگ ان مسائل کا ادراک کرتے اور ایک منصفانہ معاشی نظام کے لئے جدوجہد اور کوشش کرتے، لیکن کس قدر افسوسناک بات ہے کہ مجموعی طور پر ہمارے ہاں بے حسی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جنہوں نے کالجوں اور یونیورسٹیز میں جدید تعلیم حاصل کی ہے، وہ سرمایہ داری نظام کے کل پُرزے بن کر عالمی سرمایہ داری نظام کے مفادات اور ان کے منافع کے فروغ کے لئے کام کر رہے ہیں، اور دوسری طرف مذہبی طبقہ ہے، جنہوں نے دین کو محض چند رسومات، عبادات اور عقائد میں محدود کر دیا ہے، اور معاشی حوالے سے ناانصافی کے اس طبقاتی نظام کو مقدر سمجھ کر قبول کرنے کا درس دے رہے ہیں۔ اور طبقاتی نظام کے خاتمہ اور منصفانہ معاشی نظام کے قیام کے لئے کوئی جدوجہد اور کوشش کرنا اپنے لئے ضروری نہیں قرار دیتے، حالانکہ قرآن حکیم نے بڑے واضح انداز میں فرمایا کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهُمْ (ہم نے کتنی ہی بستیوں اور معاشروں کو صرف اس وجہ سے ہلاک کیا کہ ان کا معاشی طرزِ زندگی تعیشات اور طبقات پر مبنی تھا) آج بڑے فکر کی ضرورت ہے کہ جس مسلمان جماعت کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ ”مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دینی چاہئے“، ان مسلمان معاشروں میں مزدوروں کا استحصال ہوتا ہے، وہ اپنی بہت سی انسانی ضرورتوں سے محروم ہیں، اور دین دار طبقہ اس غیر منصفانہ معاشی نظام کے خلاف کوئی نظریہ، کوئی سوچ اور شعور نہیں رکھتا، آخر کیوں ہم دین اسلام کے منصفانہ معاشی نظام کے قیام کی شعوری جدوجہد کو اپنا فریضہ نہیں سمجھتے؟ جب کہ خلافتِ راشدہ کے قائم کردہ معاشی نظام نے معاشرے کی بھوک مٹائی، افلاس ختم کیا، اتنی معاشی خوشحالی پیدا کی کہ زکوٰۃ دینے والے بہت ہیں، لینے والا کوئی نہیں ہے۔ آج بڑی ضرورت ہے کہ معاشرے کی غربت و افلاس مٹانے کے لئے دین اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کے قیام کی شعوری جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ (مدیر اعلیٰ)

محنت کشوں کے حقوق اور امام شاہ ولی اللہؒ کا فکر

محمد عباس شاد

آج سے تقریباً ایک سو بیس سال پہلے امریکہ میں مزدوروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے منظم ہونا شروع کیا۔ اور طویل اوقاتِ کار کے خلاف آٹھ گھنٹے کام کرنے کا مطالبہ پیش کیا گیا۔ اپریل 1886ء کو مزدوروں کی جماعت نے فیصلہ کیا کہ مطالبات منظور ہونے تک یکم مئی کو عام ہڑتال شروع کی جائے گی، مزدوروں نے جب اپنے مطالبات کے لئے پرزور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کیا تو ان پر ریاست اور کارخانہ داروں کی طرف سے بدترین تشدد شروع ہو گیا لیکن مزدور ڈٹے ہوئے تھے، وہ اپنے مطالبات کے لئے دیوانہ وار آگے بڑھتے جا رہے تھے، ریاست مزدوروں پر آخری وار کرنے کے بہانے تلاش کر رہی تھی کہ آخر کار اسے مزدوروں پر گولی چلانے کا ایک بہانہ مل گیا، ہوا یوں کہ شکاگو کے کچھ انارکسٹوں نے پولیس پر ایک بم پھینک مارا جس سے پچاس پولیس اہلکار ہلاک ہو گئے اور ریاست کو مزدوروں پر بے دریغ وحشیانہ تشدد کا موقع مل گیا، تقریباً سات روز تک مزدوروں کے غیر مسلح جلوسوں پر فائرنگ ہوتی رہی، مزدور قتل ہوتے رہے لیکن ان کے جلوسوں کی تعداد بڑھتی رہی ایک ایسا وقت آیا کہ مزدوروں کے جم غفیر کے سامنے کارخانہ داروں نے گھٹنے ٹیک دیئے اور ان کے آٹھ گھنٹے کام کے اوقات کے مطالبے کو تسلیم کر لیا گیا۔ ان واقعات کے تین سال بعد 1889ء کو مزدوروں کی عالمی تنظیم نے یوم مئی 1886ء میں شکاگو کے مزدوروں کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے بطورِ یادگار منانا شروع کر دیا، یوں اس دن کو دنیا بھر میں مزدوروں کے حقوق کا دن قرار دے دیا گیا۔ 120 سالوں سے یہ دن مزدوروں سے ہمدردی اور اُن کے مسائل پر بات کرنے کی علامت کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔ بندۂ مزدور کے تلخ اوقات پر مئی میں عالمی پریس سے لیکر قومی پریس تک ان گنت مضامین، شذرے، اور فیچر شائع ہوتے ہیں، لیکن اِس ساری فکری کاوشوں کا تعلق مارکس، لینن اور سٹالن کے نظریات سے جوڑا جاتا ہے، حالانکہ ہمارے اس خطہ کے بیدار مغز، اور زمانہ شناس مفکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بندۂ مزدور کے اوقات کی تلخی کو انقلاب فرانس اور مارکس کی پیدائش سے بھی پہلے محسوس کر لیا تھا اور اس کے حل کے لیے باقاعدہ ایک نظام فکر بھی دیا جس کے ذریعے ایک مضبوط عملی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس فکری اور نظریاتی پہل اور سبقت پر ایک معروف سکالر لکھتے ہیں:

”امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی انقلابی فکر کا آغاز سماجی ارتقاء کے تعین سے کیا، سماجی ارتقاء اور فلسفۂ اجتماع پر حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے زمانۂ تصنیف (1757ء) تک کوئی واضح فکر یورپ میں بھی پیش نہیں کیا جا سکا تھا۔ ہیگل کی پیدائش 1770ء کی ہے جبکہ اس کے افکار 1832ء میں اس کے شاگردوں نے شائع کئے۔ اور کارل مارکس 1818ء میں پیدا ہوا، اور اس کی تصنیف 1880ء کے بعد سامنے آئی۔ امام شاہ ولی اللہ کی پیدائش 1703ء اور وفات 1762ء کی ہے۔ فرانس کا مشہور فلسفی روسو امام شاہ ولی اللہؒ کا ہم عصر ہے۔ اور اس کی موجودہ کتاب ”سوشل کنٹریکٹ“ بھی 1762ء میں لکھی گئی، چنانچہ شاہ صاحب کا سماجی ارتقاء کا نظریہ کسی طرح بھی یورپ سے ماخوذ یا متاثر نہیں کہا جا سکتا اور اس کو قرآن و سنت سے ماخوذ شاہ صاحب کا انقلابی اجتہاد اور انقلابی فکر ہی قرار دیا جائے گا“۔ ایسے حالات میں جب کہ یہ خطہ عالمی استعماری نظام کے نشانے پر ہے، مزدور، کسان اور محنت کش طبقے روح و جسم کا رشتہ برقرار رکھنے میں ناکام ہو رہے ہیں، نام نہاد سیاسی قیادت اور حکمران طبقات اپنے گروہی مفادات کے لئے مزدوروں کے حقوق کے علی الرغم ریاستی اداروں پر اپنی گرفت کو مضبوط بنا کر کھلے عام مزدور دشمن اور عوام دشمن پالیسیاں اختیار کر رہی ہیں۔ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، اور ملٹی نیشنل کمپنیاں عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہیں، ایسے وقت میں مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کے حقوق پر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو نظر انداز کرنا ایک قومی غفلت ہے جس کی ہماری مذہبی، سیاسی اور ادبی صحافت مرتکب ہو رہی ہے۔ ان حالات میں قومی مفکرین اور اس دھرتی سے پھوٹنے والے انسان دوست فکر کو نظر انداز کر کے مغرب سے درآمد شدہ فکر کی جگالی کرتے رہنا انصاف کا تقاضہ نہیں اس خطے کی اپنی نظریاتی شناخت ہے ہمیں اپنے چہرے پر کوئی ماسک چڑھانے کی ضرورت نہیں بلکہ اس خطے سے تعلق رکھنے والے زمانہ شناس حکیم، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو محنت کش عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔

پروفیسر قاری تاج افسر

انسان فطرتاً ایک ماحول کا متقاضی ہے۔تنہا وہ زندگی گزار سکتا ہے نہ اس کے معاشی تقاضے پورے ہو سکتے ہیں، انسان ماحول پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے اور قبول بھی کرتا ہے، اسی ماحول سے سوسائٹی وجود پذیر ہوتی ہے، انسانی سوسائٹی میں رہنے والا ہر فرد اس میں کردار ادا کرتا ہے سوسائٹی کے اساس مسائل وسائل کی تنظیم اوران کا استعمال ہے۔جب تک کسی سوسائٹی میں وسائل کی تنظیم وتقسیم تعاون باہمی اور آپس کے احترام پر قائم رہتی ہے تو وہ سوسائٹی جسد واحد کی طرح ارتقاء پذیر رہتی ہے اور جب ان کے درمیان خود غرضی، مفاد پرستی کی وجہ سے کھچاؤ اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ سوسائٹی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے سرمایہ پرستانہ اور خود غرضانہ ذہنیت کے حاملین جب اس کے راہنما بن جائیں تو ان کی بد خصلتیں نیچے رعایا تک سرایت کر جاتی ہیں اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے نتیجے میں عمومی انسانیت معاشی طبقات، بھوک، افلاس کی وجہ سے افراتفری اور متعدد مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔خیر خواہی، انسانی احترام اور تعاون باہمی کے جذبات ناپید ہوتے چلے جاتے ہیں ایسے حالات میں دین کی سچی تعلیمات انفرادیت کے مرض کو ختم کرنے کے لئے اجتماعیت پیدا کرنے والی نعمت ثابت ہوتی ہیں۔

انبیاءؑ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر نبی نے افراد کی تربیت کرکے ایک جماعت پیدا کی جس کے ذریعے وقت کے طاغوت اور سرمایہ پرستانہ خصلتوں کی حامل قیادت کو چیلنج کیا یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کے مقابلہ میں مترفین، سربراہان، نمرود، فرعون اور ابو جہل عتبہ شیبہ جیسے سردار آئے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے[كانت بنو اسرائيل تسوسهم الأنبياء](بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کرتے تھے)

قرآن حکیم نے اہل کتاب کی بری خصلتوں پر تنقید کرتے ہوئے انہیں شر البريه (کائنات کی بدترین مخلوق قرار دیا) حالانکہ انفرادی نیکیوں کے اعتبار سے وہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز کے قائل تھے، عاشوراء کے روزے کے پابند تھے تورات وانجیل کے علماء تھے، نصاریٰ میں رہبانیت محبوب طریقہ عبادت تھی، بایں ہمہ وہ ذلت اور عذاب خداوندی کے سزاوار ٹھہرے اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی بنیادی روح ''اجتماعیت'' سے پہلو تہی کرتے تھے، عبادات کی تاثیر یعنی اجتماعی سوسائٹی کی خصوصیات ' تعاون باہمی اور خیر خواہی کے جذبات سے عاری تھے۔

قرآن حکیم کی ہر آیت میں اجتماعیت کا پہلو واضح ہے نماز کی اجتماعی شکل کی وضاحت کے لئے صیغہ جمع ہی استعمال ہوا ہے، زکوۃ انسانی سوسائٹی میں محبت پیدا کرتی اور فقر وفاقہ کا خاتمہ کرتی ہے، انہی اجتماعی اثرات پر مکہ والوں کو یہ اعتراض تھا کہ: ''قال الذين كفروا للذين آمنوا انطعم من لو يشاء الله اطعمه'' ہم ایسے لوگوں کو کیوں کھلائیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو کھلا دیتا۔(سورہ یٰسین آیت نمبر ۴۷)

رسول اللہ ﷺ کی سیرت اجتماعیت کی واضح راہنمائی کرتی ہے صالح افراد کا انتخاب، انسانی حقوق کی تعلیم، نفوس کا تزکیہ، صالح ماحول کی فراہمی، مسلسل رابطہ، مشاورت کا عمل، سیاسی معاہدات، معاشی مواخاۃ، عدلیہ کے احکام، متعدد مہموں پر ٹیموں کا ارسال کرنا، صلح وجنگ کے معاہدات، صالح قیادت کا تعارف اور جھوٹی قیادت کی پہچان جیسے امور آپ ﷺ کی زندگی میں ہمہ وقتی اور نمایاں ہیں، تاریخ اسلام میں جب تک مسلمان قرآن حکیم وسیرت نبوی کی اجتماعی رہنمائی کے نقطہ نظر سے دیکھتے اور عمل کرتے رہے تو دنیا کی غیر مسلم اقوام نے اپنی قیادت کے تاج ان کے سروں پر رکھ دیئے اور آج جب کہ مسلمانوں نے اپنے آپ کو ایک فرقہ کے طور پر متعارف کروایا اور عدم برداشت کے نتیجے میں ترقی وکامرانی کے دروازے دوسروں پر بند کرنے کے طریقے اپنا لئے، عبادات کے نتائج سے غافل ہو گئے اور ان کی زندگی تقسیم ہو گئی، نظام عبادات کے ذریعے اپنی تربیت مقصود نہ رہی، سیاسی، معاشی اور تمدن کی تشکیل کے علوم وفنون میں سرمایہ پرست قوتوں سے مرعوب ہو کر لادینی اجتماعیت پر قناعت اختیار کر لی تو پراگندگی اور ذلت کا نشان بن گئے۔

انسانی زندگی کی تنظیم اور اجتماعیت، سوسائٹی میں امن عامہ اور اطمینان کی ضامن ہے۔ کرہ ارض پر بسنے والے کروڑوں انسان مختلف صلاحیتوں کے مالک ہیں ایک انسان زندگی کے ہر شعبے پر حاوی نہیں ہو سکتا جبکہ احتیاجات کے اعتبار سے ہر شعبہ زندگی سے استفادے کا محتاج ہے اجتماعیت میں کئی انسان مل کر سوچتے ہیں اور ترتیب دی گئی پالیسی کو بروئے کار لاتے ہیں تو ایسی اجتماعیت پوری سوسائٹی کی نمائندہ بن جاتی ہے ایسی نمائندہ تنظیم جب احتیاجات انسانی کی تکمیل کے لئے اداروں کی تشکیل کرنے چلتی ہے تو سرمایہ پرستانہ قوتیں ان کے مزاحم ہوتی ہیں۔ سورۃ انفال اور توبہ میں قرآن حکیم نے 13 اصول مزاحمت ذکر کئے ہیں۔ جن میں اس نمائندہ مسلمان جماعت کو شعوری بنیادوں پر حکمت عملی کے ساتھ مزاحمت کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور ہر اصول کے ذکر کرتے وقت اجتماعی انداز سے خطاب کیا گیا ہے اجتماعیت کے قیام کی یہ جدوجہد انبیاء کرامؑ کی محنت کا مرکزی نقطہ ہے جس کے لئے نبی ایک لمحہ بھی انتظار نہیں کرتے۔ بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کا معاہدۂ حلف الفضول، حجر اسود کی تنصیب، تجارتی اسفار، امانتوں کی حفاظت ونگرانی، خاندان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، بعثت کے بعد کے لئے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب آپؐ پر پہلی وحی آئی اور حضرت خدیجہؓ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے انہی مذکورہ امور کا حوالہ دیا اور اس سے استدلال کیا کہ اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کو ذلیل ورسوا نہیں کرے گا اس لئے کہ آپؐ تمام برادری کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آتے ہیں۔ مظلوم اور غرباء کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے روزگار کو روزگار فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں اور مسلمہ سچائی کے اصولوں کے قیام کی معاونت کرتے ہیں خطبہ حجۃ الوداع میں آپؐ نے اپنی پوری جدوجہد کا خلاصہ ان الفاظ میں ذکر کیا۔ اے لوگو! سن لو! آج کے بعد تمہارے خون، اموال اور عزت نفس ایسے ہی محفوظ کر دیئے گئے ہیں جیسے یوم حج کا احترام، ذی الحجہ کے مہینے کا احترام اور مکہ معظمہ کے شہر کا احترام ہے۔ یہ تب ہی ہوا کہ ایک مضبوط اور نمائندہ نبوی جماعت نے خواہش پرستوں کے خود غرضی پر مبنی انفرادی لوٹ مار اور استحصال کے قوانین ونظام کو توڑا، اور صالح نظام میں سیاست ومعیشت کو اپنی اجتماعی حکمت عملی سے بروئے کار لائے اور دنیا کے تمام مظلوموں کے لئے عزت وحریت اور مساوات کو فروغ دیا اسی صحبت صالح کا نتیجہ تھا کہ حضرت ربعی بن عامرؓ ایران کے گورنر کے سامنے دنیاوی عزت وحشمت کو مسترد کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ ''ہم تو اس لئے آئے ہیں کہ تیرے جیسے مصنوعی خداؤں سے خلق خدا کو نجات دلا کر ایک اللہ کا غلام بنائیں معیشت کی تنگی سے ان کو نجات دلا کر اللہ کے رزق کی فراوانی کے دروازے ان پر کھول دیں''۔

یہ ہلکی سی تصویر تھی اسوۂ نبوی کی جس کی اتباع کا ہم کو ہر لحظہ حکم دیا گیا ہے اور جس کو سچی اجتماعیت کا معیار قرار دیا گیا، جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ اُمت کے 73 فرقوں میں سے کون ساحق پر ہوگا تو فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کی تقسیم کرنے والے ایسے خواہش پرست علماء سوء اور جاہل مبلغین وواعظین سے دامن چھڑا کر اہل حق کے سلسلے کے ساتھ وابستگی اختیار کی جائے، ان کی صحبت میں رہ کر دین کے سیاسی، معاشی اور تمدنی وعدالتی نظام کی تعلیم حاصل کی جائے صالح اجتماعیت کے ذریعے اپنا تزکیۂ نفس کیا جائے اور سسکتی ہوئی انسانیت کی قیادت کے لئے اپنے آپ کو تیار کیا جائے تاکہ دنیا اور آخرت کے نتائج اس کے حق میں ہوں، اور موجودہ منافقت کے یہ سراب اب زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکتے۔

خطبه جمعة المبارك

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب —— ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

(مؤرخہ: 27 فروری 2009ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہٗ ونصلی علی رسوله الکریم، امّا بعد: قا ل اللہ تبارک وتعالیٰ: یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین o معزز دوستو! دین اسلام کی تعلیمات انسانی معاشرے کی ترقی کے لئے بنیادی رہنما اصول ہمارے سامنے متعین کرتی ہیں۔ دین اسلام نے انسانیت کی فلاح وکامیابی کے لئے جو رہنمائی دی ہے وہ تمام انسانیت اور قیامت تک کے لئے ہے۔ اس لئے رہتی دنیا تک جب بھی انسانی معاشرہ اپنی دنیوی یا اخروی کامیابی کے لئے جدوجہد اور کوشش کرے گا تو دین اسلام کی سچی تعلیمات اس کی رہنمائی کا باعث بنتی رہیں گی۔ دین اسلام کی تعلیمات کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ وہ معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک دینی نظریہ وفکر واضح کرتا ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سماج کی تشکیل اور اس کی شیرازہ بندی کے لئے ایک فکر اور نظریہ ضروری ہے۔ کیوں کہ **نظریہ اور فکر کے بغیر معاشرے ترقی نہیں کر سکتے۔** سماج کے سامنے معاشرتی امور سرانجام دینے کے لئے نظریہ موجود نہ ہو تو انتشار پیدا ہوتا ہے، قومیں ایک جگہ پر جمع نہیں ہوتیں اور کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد میں کمی پیدا ہوتی ہے۔ دین کا یہ پہلو قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں انسانی معاشروں کی تشکیل کے بنیادی اور اساسی افکار کی نشاندہی کرتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے متعین کردہ اعلیٰ نظریہ پر ایک جماعت کی تشکیل کی جائے اور پھر اس جماعت کے ذریعہ سے معاشرے میں عملی نظام قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش کی جائے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جب معاشرہ میں اعلیٰ نظریات وافکار پر ایک سچی جماعت قائم ہو جائے تو وہ جماعت ہی دراصل معاشروں میں نتائج پیدا کرتی ہے۔ عام لوگ انفرادی طور پر اجتماعی نتائج پیدا نہیں کر سکتے بلکہ نتائج کے حصول کے لئے ایک تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ منظم طاقت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور طاقت اور قوت نظریہ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے۔ جماعت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا کرے کہ جس کی اساس پر اس جماعت نے معاشروں میں اجتماعی نتائج حاصل کرنے ہیں۔ اور پھر جس سطح کے نتائج حاصل کرنے ہوں تو اسی سطح کی جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ اسی کے مطابق صلاحیتیں اور مہارتیں اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قرآن حکیم کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو اس نے انسانی معاشرے کے لئے نظریات، افکار اور احکامات کی صورت میں جو ہدایات بیان کی ہیں وہ تعداد کے اعتبار سے اگرچہ تھوڑی ہیں لیکن بنیادی نظریہ کے اظہار کے لئے چند بنیادی اور اساسی امور کی نشاندہی کرتی ہے۔ دراصل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ ان افکار پر جو جماعت بنائی جا رہی ہے اس کے رویوں کو درست کیا جائے، اس میں اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جائیں، اس میں مہارتیں پیدا کی جائیں، اس لئے قرآن حکیم کا زیادہ زور اس بات پر ہے کہ انسانی رویے کیسے درست کئے جا سکتے ہیں۔ اس کے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کے لئے کیا جانا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کے اندر احکامات پر مبنی آیات بڑی مشکل سے چار پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن دیگر ہزاروں آیات ایسی ہیں جو دراصل انسان کے تنظیمی رویے اور اجتماع میں زندگی بسر کرنے کے عمومی رویوں پر مشتمل ہیں۔ انسان کے اندر اگر اس نظریہ پر مہارتیں پیدا ہو جائیں تو عملی طور پر اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جائیں گے۔ اور وہ جماعت انسانی معاشرے میں عمدہ نتائج پیدا کرتی ہے اور اگر یہ رویے اور اخلاقی اقدار موجود نہ ہوں تو پھر معاشروں میں غلط نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن حکیم انسانی معاشرے کے ان پہلوؤں کو بار بار بیان کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے واقعات قرآن حکیم بیان کرتا ہے، **گزشتہ قوموں کے زوال کے اسباب قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔** دراصل اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم یہ جانیں کہ اپنے رویوں کو درست کرنے کے لئے ہمیں کیسے جدوجہد اور کوشش کرنی ہے۔ کون سے اساسی امور کو پیش نظر رکھنا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی اکثر آیات انسان میں تنظیمی صلاحیت پیدا کرنے، اعلیٰ اخلاق کو اجاگر کرنے، انسانی معاشروں کو انسانی اقدار کے مطابق ڈھالنے سے متعلق ہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم کی آیاتِ مبارکہ حضورؐ کی زندگی میں تدریجاً نازل ہوئیں۔ جیسے جیسے حضورؐ کے زیر تربیت جماعت کو ضرورت پیش آتی رہی، ویسے ویسے آپؐ پر آیات کا نزول ہوا اور ان میں اُن رویوں کی نشاندہی کی گئی، جس سے جماعت ترقی کرتی ہے۔ گویا کہ مسلمان جماعت کی ٹریننگ اور تربیت بڑی اہمیت کی حامل بات ہے۔ صوفیائے کرام کے ہاں بھی اس بات کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے کہ زیر تربیت افراد کو تدریجاً ان امور کی آگاہی دی جائے، جو اُن کے افکار، اخلاق اور رویوں کو درست کرنے کے لئے ضروری قرار پاتے ہیں۔ بیک وقت تمام معلومات کو جمع کر دینا یا بیان کر دینا مکمل نتائج نہیں پیدا کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سورۃ البقرہ کو کئی سالوں میں مکمل کرتے ہیں۔ اب حضرت عمر فاروقؓ بڑی صلاحیت کے مالک ہیں، عربی زبان کے ماہر ہیں، اس کے باوجود بتدریج جو وقت لگ رہا ہے، یہ دراصل ان مفاہیم کے مطابق اپنے اخلاق اور رویوں کو درست کرنا ہے اور ملکی نظام چلانے کی صلاحیت حاصل کرنا ہے۔

کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ نے علومِ دینیہ حاصل کر لئے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایک حدیث پڑھی ہے، ابھی اس پر پورا عمل نہیں کر سکا۔ حضورؐ نے فرمایا: حب الدنیا راس کل خطیئة کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، تو ابھی تک دنیا کی محبت دل سے نہیں نکلی۔ پہلے اس حدیث پر عمل کر لوں۔ دنیا کیا ہے؟ کوئی انسان خواہش نفس سے عمل کرے تو یہی درحقیقت دنیا ہے۔ وہی کام اگر خواہش نفس سے نہ ہو بلکہ انسانیت کی فلاح کے لئے اور اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کی اساس پر ہو تو یہ دنیا نہیں ہے بلکہ اس کے اعلیٰ نتائج ظاہر ہوں گے۔ اس لئے بہت ساری معلومات کو جمع کر لینا کمال کی بات نہیں بلکہ دراصل ان اعلیٰ تعلیمات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوتا ہے، اپنے اندر ان اقدار کو پیدا کرنا ہوتا ہے، جو ان تعلیمات کی روشنی میں ہمارے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً سچائی کا خلق معاشرے کی ایک اہم قدر ہے، جب یہ معلوم ہو گیا کہ کامیابی کی بنیاد جھوٹ نہیں بلکہ سچائی ہے تو اب زندگی کے ہر شعبہ میں اس سچائی کی قدر کو قائم کرنا اور سچائی پر مبنی سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنا ضروری ہے، تب جا کر سچائی کی قدر کا تقاضہ پورا ہوگا اور معاشرے کے باقی دائرے اس سچائی کی قدر کے اردگرد گھومنے لگ جائیں گے، جس سے معاشرہ ترقی کرے گا۔ لیکن اگر سچائی کا علم تو ہے لیکن اس کا کوئی نظام نہیں اور نہ ہی زندگی میں اس کو قائم کرنے کی جدوجہد اور کوشش ہے تو اس علم کا مثبت نتیجہ انسانی معاشرے میں ظاہر نہیں ہوگا۔ اقوام کی ترقی میں اس بات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ جب کوئی قوم اپنے لئے کوئی قدر متعین کر لیتی ہے تو پھر وہ اس کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ ترقی یافتہ اقوام میں یہ بات مسلم ہے کہ معاشرے کی اقدار کی حفاظت کی جائے، اگرچہ کوئی قانون تحریری شکل میں نہ بھی ہو تب بھی ان اقدار کی حفاظت کی جاتی ہے، ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر اس بات کا علم ہو گیا کہ معاشرے میں عدل وانصاف کا نظام ہونا چاہیے تو یہ ایک بنیادی قدر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ظلم کی بداخلاقی ہے، اب اس قدر کی حفاظت کے لئے **معاشرے کے ہر ادارے میں عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم ہونا ضروری ہے۔**

اس بات کو قرآن حکیم نے اس آیت میں فرمایا کہ: ''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو''۔ تقویٰ دراصل اسی عدل وانصاف کی قدر کو واضح کرتا ہے اور پھر یہ عمل کوئی انفرادی سطح کا نہیں بلکہ ان اعلیٰ اقدار کو قائم کرنے کے لئے ایک جماعت ضروری ہے جو کہ ان اقدار کی حامل ہو (کونوا مع الصادقین)۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے وہ معاشرے جو کہ انسانیت کی بنیاد پر وجود میں آئے وہ تو اپنے معاشرے میں اپنی اقدار کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے مطابق نظام تشکیل دیتے ہیں، اپنے سیاسی، معاشی نظام اور دیگر شعبوں کی تشکیل وہ اپنے اقدار کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم معلومات تو اعلیٰ درجہ کی رکھتے ہیں، ان کا تذکرہ بھی کرتے ہیں لیکن ان اقدار کے مطابق اپنے اخلاق کو درست نہیں کرتے اور اپنی زندگی میں ان کو قائم نہیں کرتے اور اپنے معاشرے کی تشکیل ان اقدار کے مطابق نہیں کرتے اور جو معاشرے اپنے اقدار کے مطابق اپنا نظام بنانے کی جدوجہد نہ کریں تو وہ معاشرے نہ صرف ترقی نہیں کرتے بلکہ زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج اگر ہم دوسری اقوام کو کہیں کہ ہمارا دین سلامتی والا دین ہے، اس کو قبول کر لو تو وہ اگر یہ جواب دیں، کہ آپ کے ملک کا معاشرتی نظام تو امن وسلامتی پر قائم نہیں ہے، آپ کے اپنے رویے تو درست نہیں ہیں تو آپ ہمیں کیسے دعوت دیتے ہیں؟ **کوئی قوم اپنے اقدار وروایات کو اس وقت تک نہیں منوا سکتی جب تک کہ ان پر عملی نظام قائم کر کے نہ دکھائے۔** ہم اگر یہ کہیں کہ ہمارے پاس معاشرے سے غربت ختم کرنے کا بہترین اصول موجود ہے، مال کی تقسیم کا عدل پر مبنی اصول موجود ہے تو ہر قوم ہمارا عملی نظام دیکھے گی اگر ہم میں غربت موجود ہے، طبقات موجود ہیں، مال کی تقسیم غیر منصفانہ ہے تو وہ ہماری بات کو کیسے تسلیم (بقیہ: صفحہ نمبر ۸)

(بقیہ دورہ بہاولپور)

''سماجی تبدیلی کا طریقہ کار، اسوۂ حسنہ کی روشنی میں'' تھا۔ سب سے پہلے اس موضوع پر مفتی عبدالخالق آزاد نے مفصل خطاب فرمایا، ان کے بعد مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب نے ''تحریک آزادی میں علمائے حق کا کردار'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ آخر میں حضرت اقدس مدظلہٗ العالی نے دعا فرمائی۔ اس موقع پر ڈاکٹر ابرارمحی الدین اور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے دیگر اساتذہ شریک ہوئے۔ اور کالجز اور یونیورسٹیز کے نوجوان طلبہ نے بھرپور طور پر اس میں شرکت کی۔ رات گئے جناب مفتی عبدالقدیر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ مؤرخہ 4 مارچ 2009ء کو صبح ناشتہ کے بعد میڈیکل کالج اور اسلامیہ یونیورسٹی کے طلبا نے استفادہ کیا، سماجی مسائل پر سوالات اور جوابات کا سلسلہ جاری رہا۔ دوپہر کو جناب محمد اسلوب قریشی صاحب کے بیٹے محمد عاطف قریشی کا نکاح بہاولپور میں تھا۔ اس میں حضرت اقدس رائے پوری نے شرکت کی اور نکاح پڑھایا۔ نمازِ مغرب کے بعد میاں اظہر صاحب کے مکان پر مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ جس میں احباب نے بھرپور شرکت کی۔ مجلس ذکر کے بعد مفتی عبدالمتین نعمانی نے ''ذکراللہ کی اہمیت'' پر گفتگو کی۔ رات گئے تک دوستوں نے مفتی عبدالخالق آزاد سے استفادہ کیا۔ مورخہ 5 مارچ کو صبح کا ناشتہ سلسلہ رائے پور سے وابستہ جناب ڈاکٹر ابرارمحی الدین پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے گھر تھا۔ انہوں نے بڑے پُرتکلف ناشتہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت اقدس مدظلہٗ العالی نے ان کے گھر دعا فرمائی۔ 10:30 پر خیر پور ٹامے والی کے لئے روانہ ہوگئے۔ 12:00 بجے خیر پور تشریف آوری ہوئی۔ یہاں مدرسہ تجوید القرآن سبز مسجد خیر پور کے مہتمم جناب صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری صاحب اور ناظم مدرسہ مولانا نیاز احمد صاحب اور مدرسہ کے طلبا نے استقبال کیا۔ حضرت کا قیام مدرسہ میں رہا۔ یہ مدرسہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ نے اپنے خلفاء حضرت جج عالم علی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الارشاد حضرت مولانا اللہ بخش بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کرایا تھا۔ اس جگہ حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کا بارہا قیام رہا ہے۔ ان حضرات کی قائم کی ہوئی ''سبز مسجد'' آج بھی روحانیت اور خلوص وللّٰہیت کے آثار وانوار اپنے اندر رکھتی ہے۔ حضرت کا قیام اس مسجد کے متصل کمرہ میں رہا۔ خیر پور سے حضرت جج عالم علی صاحب کے خاندان میں سے محترم رانا شمشاد صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، چنانچہ حضرت اقدس ان کے گھر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کے بڑے بھائی جناب راؤ عبدالحفیظ صاحب اور بڑے صاحبزادے رانا بابر صاحب سے تعزیت کی۔ اس موقع پر رانا بابر صاحب نے حضرت اقدس سے بیعت کی۔ دوپہر کا کھانا ان کے گھر کھایا۔ حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر ''سبز مسجد'' میں ہوئی۔ جس میں علاقہ بھر سے متعلقین ومتوسلین خانقاہِ رائے پور نے شرکت کی۔ مجلس ذکر کے بعد ''ذکراللہ کی اہمیت اور علمائے حق کی دینی جدوجہد'' پر جناب مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا۔ بعد میں حضرت اقدس مدظلہٗ العالی نے اپنے ملفوظات سے سامعین کو مستفید فرمایا اور دعا فرمائی۔ 6 مارچ کی صبح کو خیر پور سے روانہ ہو کر بورے والا تشریف لائے۔ صبح کا ناشتہ راؤ تحسین مرحوم کے صاحبزادگان کے گھر ہوا۔ اہل خانہ کے لئے حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ ناشتہ کے بعد مفتی عبدالمتین نعمانی کے گھر آرام فرمایا۔ کھانا کھا کر نمازِ جمعۃ المبارک کے لئے جامعہ نعمان بن ثابت المعروف جامعہ خدیجۃ الکبریٰ میں تشریف لے گئے۔ نمازِ جمعہ سے پہلے مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا۔ اور ان کے بعد حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ العالی نے خطاب فرمایا۔ خطبہ اور نمازِ جمعہ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے پڑھائی۔ اس موقع پر علاقہ بھر سے احباب جمع تھے۔ حضرت اقدس رائے پوری سے مصافحہ کیا، اس موقع پر حاجی محمود الحسن خان صاحب نورارتھ سے تشریف لائے، ان کے ہمراہ نمازِ جمعہ کے بعد عارف والا کے لئے روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز عارف والا میں جناب ماسٹر محمد یوسف صاحب کے گھر پر پڑھی، احباب سے ملاقات ہوئی، چائے پی کر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز جناب خاں محمد یوسف خاں کے گاؤں ''نورارتھ'' تشریف لائے۔ مجلس ذکر نورارتھ میں ہوئی۔ بعد میں حاجی محمود الحسن کی والدہ محترمہ کے وصال پر ان کے اہل خانہ سے تعزیت کی۔ رات کا قیام نورارتھ میں رہا۔ صبح ناشتہ کے بعد ''مدرسہ یوسفیہ'' نورارتھ تشریف لے گئے، دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے لئے دعا فرمائی۔ پھر حضرت خاں صاحبؒ کے مزار پر حاضری ہوئی دعا فرمائی اور عارف والا کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاں جناب خالد حمید صاحب کے مکان پر تشریف آوری ہوئی۔ چائے پی کر لاہور کے لئے روانہ ہوئے۔ اور دوپہر 12:00 بجے واپس لاہور تشریف آوری ہوئی۔ یوں یہ سات روزہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

جوابات از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی
شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال نمبر(۱): ایک شخص جس نے عمرہ کے تمام اعمال مکمل کر لئے ہیں، لیکن ابھی تک اس کا احرام کھولنا باقی ہے، کیا ایسا شخص احرام کھولنے کی نیت سے حلق یا قصر اپنے ہاتھ سے کرسکتا ہے؟۔ اور اسی طرح یہ شخص کیا دوسرے ایسے شخص کا حلق یا قصر کرسکتا ہے، جو اعمالِ عمرہ مکمل کر کے احرام سے نکلنا چاہتا ہے؟

(محمد یوسف قریشی، لاہور)

جواب: اعمالِ عمرہ یعنی بیت اللہ کا طواف اور صفا، مروہ کی سعی مکمل کر لینے کے بعد عمرہ کرنے والا اپنا یا دوسرے ایسے شخص کا جو اعمالِ عمرہ مکمل کر کے احرام سے نکلنا چاہتا ہے بلا کراہت حلق یا قصر کرسکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سوال نمبر(۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہمارے والد محترم بقضائے الٰہی انتقال کر چکے ہیں، جن کے پسماندگان میں دو بیوگان، دس بیٹے، جن میں چھ شادی شدہ ہیں اور تین بیٹیاں جن کی شادی ہو چکی ہے۔ والد صاحب (مرحوم) کے ذمہ کچھ قرض بھی ہے۔ چند ایک وضاحتیں درج ذیل ہیں:

وضاحت (۱): والد صاحب نے اپنی زندگی میں چھ بیٹوں کی شادی اپنی نگرانی میں کروائی اور تمام اخراجات ادا کئے اور رقم مہر ایک بیٹے کی ۲۰ تولہ سونا جبکہ دیگر کا ۵ تا ۷ تولہ سونا کی شکل خود ادا کئے۔

وضاحت (۲): والد محترم کے دونوں گردے آخر عمر میں کمزور ہوگئے تھے، جن کے علاج کے لئے دو بیٹوں نے عرصہ دس بارہ سال پانچ سے سات لاکھ روپے تک خرچ کئے، جس کے تمام ورثاء شاہد ہیں براہِ کرم آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمارے والد صاحب کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ کیا غیر شادی شدہ بیٹوں کو شادی کے اخراجات کے لئے کوئی مخصوص حصہ ترکہ سے ملے گا یا نہیں؟ جن دو بیٹوں نے والد صاحب کی بیماری کے اخراجات برداشت کئے ہیں، کیا ان کو اس حوالہ سے کچھ ادائیگی ترکہ میں سے کی جائے گی یا نہیں؟

(محمد ساجد، محمد قیصر، مینگورہ)

جواب: آپ کے والد محترم کی کل وراثت سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ قرض کی ادائیگی کے بعد باقی رہ جانے والی میراث کے کل تین صد اڑسٹھ (۳۶۸) حصے کئے جائیں گے، جن میں سے ہر ایک بیوہ کو تئیس تئیس (۲۳) حصے اور ہر ایک بیٹے کو اٹھائیس اٹھائیس (۲۸) حصے جبکہ لڑکیوں میں ہر لڑکی کو چودہ چودہ (۱۴) حصے ملیں گے۔ اور جن بیٹوں نے باپ کی زندگی میں اپنی جیب سے والد صاحب کی بیماری پر خرچ کیا وہ تبرع اور احسان ہے جس کا کوئی معاوضہ نہ ہوگا، ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ان بیٹوں نے یہ رقم بطورِ قرض علاج کے لئے دی تھی تو اس رقم کو قرض میں شمار کر کے ادا کیا جائے گا۔ جن بچوں کی شادی نہیں ہوئی تو شادی کے اخراجات کے لئے باقی ورثاء بخوشی و رضا کچھ رکھنا چاہیں تو درست ہے، بصورتِ دیگر شرعی طور پر ان کو اس سلسلہ میں وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

سوال نمبر(۲): ایک شخص دوسری رکعت میں امام کے ساتھ شامل ہوا، امام نے نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کیا تو کیا یہ شخص جس نے ابھی ایک رکعت امام کے فارغ ہو جانے کے بعد ادا کرنی ہے، سجدۂ سہو کا سلام امام اور دیگر مقتدیوں کے ساتھ پھیرے گا یا نہیں؟

(محمد ناصر، جھنگ)

جواب: مسبوق (ایسا نمازی جس کی جماعت میں شرکت سے قبل امام کم از کم ایک رکعت ادا کر چکا ہو) سجدۂ سہو میں تو امام کے ساتھ اتباع کرے گا، لیکن سجدۂ کا سلام نہیں پھیرے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

ملفوظات

قُطبِ عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ

بیان فرمودہ: حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ

(۱) مصیبتیں چوکیدار ہیں، جو غفلت سے بیدار کرتی ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ مصیبتیں بھی چوکیدار ہیں، جو انسان کو غفلت سے بیدار کرتی رہتی ہیں، انسان کو غفلت ترک کرنی چاہیے، اور غفلت سے مراد: خدا کی یاد سے ذہن کا خالی رہنا ہے۔

اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی، مگر خیالات کو دنیا کے دھندوں کی الجھنوں سے نکالے بغیر، اور خداتعالیٰ کی یاد کی پختگی پیدا کیے بغیر تو انسان کا کام نہیں چلتا، اسے رہبانیت کہئے، تو اتنا تو کرنا ہوگا۔

دیکھئے! حضور ﷺ کو بھی غارِ حرا میں جا کر رہنا پڑا، اور پھر جب فرشتہ نازل ہوا، تو لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے توجہ کی، ایک دفعہ پورا ٹوٹنے کی کوشش کئے بغیر، جو دنیا میں گھسنا ہے، یہ غفلت اور دنیا ہے، اور ٹوٹنے کے بعد پھر تعلق جوڑنا، بالکل دوسری حیثیت کا ہے، اور پھر ساری دنیا دین اور سارے کام فی سبیل اللہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) اللہ جسے چاہے یقین دے۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہے، یقین دیتا ہے، یقین دیکھنے سے مکمل ہوتا ہے، میں تو نہیں، مگر میں نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ ان کو کیا کچھ حاصل تھا۔

مجھے ابتداء میں مالیخولیا تھا کہ ہم ایسی چیز پر کیسے یقین کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، سننے اور چھونے میں نہ آسکے، مگر حضرت کی برکت سے یہ سمجھ میں آ گیا، اور دل میں اتر گیا، کہ اللہ چاہے، تو ضرور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

(۳) قربِ خداوندی کا مفہوم

کسی نے حضرت رائے پوری ثانیؒ سے دریافت کیا:

''حضرت! قربِ خداوندی کا کیا مطلب ہے؟''

حضرت والا نے فرمایا: ''رضائے خداوندی کے مطابق کام کرنے سے قربِ خداوندی حاصل ہوتا ہے''۔ دریافت کیا گیا: ''حضرت! قرب (خداوندی) کیسے؟'' فرمایا: ''وہ جو (حدیث مبارکہ) میں آتا ہے کہ ''میں اس (بندے) کے ہاتھ ہو جاتا ہوں، اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں، جن سے وہ چلتا ہے''۔

(۴) بزرگوں کی خیر خواہی کے انداز

فرمایا: ''ایک دفعہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا:

''مولوی صاحب! کھانا کھالو'' میں نے اپنی عادت کے مطابق عرض کر دیا کہ ''حضرت مجھے بھوک نہیں، یا یہ کہ میں نے کھا لیا ہے'' تو فرمایا: ''مولوی صاحب! میں اپنی طرف سے نہیں کہتا'' اس پر آئندہ کبھی انکار نہ کرتا، اور کھانا کھا لیا ہوتا، تو بھی (حضرتؒ) کے فرمانے پر اور کھا لیتا۔

ایک دفعہ حضرت (مولانا خلیل احمد) سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، میں کھانا کھا چکا تھا، جب حضرت سہارنپوری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرمانے لگے، مجھے بھی فرمایا، اور میں بھی شریک ہو گیا، حضرت نے مجھے فرمایا: ''مولوی صاحب! میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے کا بھی فائدہ ہے''۔

(ماخوذ از ارشاداتِ شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان فرمودہ

اقتصادی اصول

مرتبہ از حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث، مدرسہ شاہی، مراد آباد

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتابوں ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''البدور البازغہ'' اور ''الخیر الکثیر'' میں انسانی سماج کے ارتقا اور اس کی معاشی ترقی کے اصول بیان فرمائے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد و ناظمِ عمومی ''جمعیت علمائے ہند'' نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مندرجہ بالا کتابوں سے اخذ کر کے مندرجہ ذیل اصول مرتب اور مدون کئے ہیں۔ چنانچہ مولانا اپنی کتاب ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' (جلد دوم) میں ان اصولوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور اور کاشت کار قوت کاسبہ ہیں، باہمی تعاون شہریت کی روحِ رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لئے کام نہ کرے، ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ (۱)

۲۔ جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیمِ دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہونے کی بجائے، دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔ (۲)

۳۔ مزدور، کاشت کار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں، دولت کے اصل مستحق ہیں ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے۔ جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔ (۳)

۴۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے، قوم کا دشمن ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔ (۴)

۵۔ ضرورت مند مزدور کی رضامندی قابلِ اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے۔ (۵)

۶۔ جو پیداوار یا آمدنی تعاونِ باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلافِ قانون ہے۔ (۶)

۷۔ کام کے اوقات محدود کئے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ملنا چاہئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ (۷)

۸۔ تعاونِ باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہئے، پس جس طرح تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ ''بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے کمیشن'' (مقابلہ سے روحِ تعاون کو نقصان پہنچائیں ایسے ہی حکومت کے لئے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے۔ (۸)

۹۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقے میں منحصر کر دے، ملک کے لیے تباہ کن ہے۔ (۹)

۱۰۔ وہ شاہانہ نظامِ زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو، اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کو اس مصیبت سے نجات دلائی جائے اور ان کو مساویانہ نظامِ زندگی کا موقع دیا جائے۔ (۱۰)

(علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم، ص ۷، ۸، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ لاہور)

حوالہ جات (۱) حجۃ اللہ البالغہ باب سیاسۃ المدینہ، البدور البازغہ، مبحث الارتفاق الثالث، اور الخیر الکثیر۔ (۲) حجۃ اللہ البالغہ، باب ابتغاء الرزق، (۳) ایضاً (۴) حجۃ اللہ البالغہ، باب سیاسۃ المدینہ، باب الرسوم السائرہ بین الناس (۵) ایضاً باب ابتغاء الرزق (۶) ایضاً (۷) حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم و باب ضبط المبہم (۸) حجۃ اللہ البالغہ، باب البیوع المنہی عنہا (۹) حجۃ اللہ البالغہ باب ارتفاق الرابع و باب البیوع المنہی عنہا (۱۰) حجۃ اللہ البالغہ، باب رسوم السائرہ بین الناس و باب سیاسۃ المدینۃ و باب ابتغاء الرزق و باب البیوع المنہی عنہا)

قانون اورعدل وانصاف کی اہمیت

(اسوۂ حسنہ کی روشنی میں)

پروفیسرڈاکٹرسعیدالرحمٰن

(''قانون کی بالادستی اورعدل کی اہمیت'' کے عنوان سے جنگ فورم میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا،جس میں سابق صدرشعبہ اسلامیات بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان ، پروفیسرڈاکٹرسعیدالرحمٰن نے درج ذیل خیالات کا اظہا فرمایا، روزنامہ جنگ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق 10مارچ 2009ء میں مذاکرہ کی روائداد طبع ہوئی۔روزنامہ جنگ کے شکریہ سے پروفیسرصاحب کے خیالات یہاں پیش کئے جارہے ہیں)

معاشرے کی بقاء عدل پر منحصر ہے۔جب بھی کسی معاشرے میں لاقانونیت پیدا ہوتی ہے، وہ معاشرہ زوال کا شکار ہوجاتا ہے۔دنیا میں اللہ کے جتنے بھی مقرب افراد آئے ،ان کی زندگی کا مقصد معاشرے سے ناانصافیوں کا خاتمہ کر کے عدل کی بنیاد رکھنا تھا۔عدل معاشرے میں توازن قائم کرنے کا نام ہے۔قانون کو بھی بنیادی طور پر اس لئے بنایا جاتا ہے کہ معاشرے میں زندگی گزارنے کے اصول وضع کئے جاسکیں۔ قرآن کریم میں بنیادی حکم دیا گیا ہے کہ:''اے ایمان والو!تم انصاف قائم کرنے والے بنواور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو۔خواہ تمہیں یہ گواہی اپنی ذات ،اپنے والدین، رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑجائے تو بھی عدل کی خاطر اس پر ڈٹے رہو''۔عدل کو بالادست رکھنے کا جذبہ ہمارے اندر موجود ہونا چاہیے۔آپ کی پوری زندگی کی بنیاد عدل پر ہے۔آپؐ نے لوگوں کے حقوق کا تعین کیا۔حقوق اسی لئے بنائے گئے کہ معاشرہ پوری طرح ان کا لحاظ رکھے۔اس کے لئے دائرہ کار بتایا گیا۔اسی دائرہ کار سے تجاوز کو قرآن وسنت نے ظلم سے تعبیر کیا ہے۔آپؐ کے عہدِ مبارک میں ہر موڑ پر قانون اور اس کی بالادستی کے واقعات نظر آتے ہیں۔ ہمارے ہاں قوانین خواہشات کی بنیاد پر بنتے ہیں جو بھی حکمران آتا ہے وہ اپنی خواہشات کے مطابق ترمیم کرتا ہے۔خواہشات کے تحت بننے والے قانون کی معاشرے میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔قانون کو معاشرے میں مقام دلوانے کے لئے کسی تفریق کے بغیر اس پر عمل درآمد کروانا ضروری ہے۔آپؐ نے ہمیں جو قوانین دیئے ان میں کوئی پیچیدگی نہیں ۔قانون ایسا ہونا چاہیے جس سے معاشرے کا ہر فرد باخبر ہو۔قانون کو معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ہمارا بڑا معاشرتی تقاضہ یہ ہے کہ قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر قوانین بنائے جائیں۔ ہمارے نظام میں خرابی موجود ہے۔مقدمات سالہا سال تک التوا کا شکار رہتے ہیں۔انصاف نہ ہونے کی وجہ سے بوجھ بڑھتا جارہا ہے۔جب تک ہم اپنی نوجوان نسل کی تربیت اسوۂ حسنہ کے مطابق نہیں کریں گے۔ملک وقوم کی بقاء ممکن نہیں۔سیرت رسولؐ میں ہر دور اور ہر خطے کے لئے نمونہ ہے۔اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں۔

(بقیہ: خطبہ جمعۃ المبارک) تسلیم کرے گی؟ ہمارا ایمان توحید پر ہے،لیکن توحید کے تقاضے اور اس کے مطابق ہمارے اخلاق اور رویے نہیں ہیں تو ہماری بات کیسے درست ہوگی۔ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ حضورؐ کی ذات سے ہمیں عشق ہے، محبت ہے لیکن ہماری زندگی میں حضورؐ کا کوئی اسوہ موجود نہیں ہے تو ہماری بات درست نہیں ہوسکتی ،کوئی آدمی ہماری بات کا اعتبار نہیں کرے گا ۔ ان تمام حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری زندگی میں تضاد موجود ہے ، اور یہ تضاد اور منافقت دین اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے اور لوگ ہمارے اس تضاد اور منافقت کے عمل کو دیکھتے ہیں۔ اس سے دین کا غلبہ کیا ہونا تھا،دین بدنام ہو کر رہ گیا۔آج سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن دینی اقدار واخلاق کا ہم دعویٰ کرتے ہیں،اور جن علوم کی اہم معلومات جمع کرتے ہیں، اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ان کے مطابق اپنے اخلاق پیدا کرنے کی ہے۔عملی نظام ان کے مطابق قائم کرنے کی ہے۔آج ضرورت ہے کہ ہم دین کے غلبہ کے نظریہ کو سمجھیں اور اس کے مطابق ہماری جدوجہد ہوتا کہ ہم اپنی ذمہ داری کو بھی پورا کریں اور انسانیت کو ان مسائل سے نجات دلائیں، جن کی وجہ سے وہ دنیا میں جہنم کی طرح کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کے انسان دوست نظام کو معاشرے میں رائج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا دورۂ بہاولپور

رپورٹ:فرمان شاہ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ یکم مارچ 2009ء کو بہاولپور اور گردونواح کے احباب کی دعوت پر بہاولپور کے سفر پر روانہ ہوئے۔آپ کے ہمراہ ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ مفتی عبدالخالق آزاد بھی تھے۔صبح 07:30 پر لاہور سے روانہ ہو کر 11:30 پر چیچہ وطنی تشریف آوری ہوئی ۔ یہاں خانقاہِ رحیمیہ کے قدیم متوسل جناب راؤ سعادت علی خاں کی صاحبزادیوں کی تقریب نکاح میں شرکت فرمائی۔حضرت اقدس مدظلہٗ العالی نے ان کی تین بچیوں کا نکاح پڑھایا۔اس موقع پر حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی اور مولانا رانا ارشاد احمد خاں بھی بورے والا سے تشریف لے آئے۔نکاح کے بعد کھانا تناول فرما کر ان حضرات کے ہمراہ حضرت اقدس مدظلہٗ العالی کی بورے والا تشریف آوری ہوئی۔کچھ دیر آرام فرمایا،عصر کی نماز مفتی عبدالمتین نعمانی کے مکان پر پڑھی۔اس کے بعد خانقاہ کے قدیم متوسل راؤ عبدالحفیظ کے صاحبزادگان راؤ امجد صاحب وغیرہ سے ان کے والدِ گرامی کے انتقال پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے، کچھ دیر ان کے گھر قیام فرمایا اور دعا فرمائی۔اس کے بعد چک نمبر 261-EB میں خانقاہ سے تعلق رکھنے والے مولانا قاری محمد اسلم صاحب کے ہاں تشریف لے گئے،انہوں نے ایک دینی مدرسہ اپنے گاؤں میں قائم کیا ہوا ہے۔اور بڑی دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں،ان کے مدرسہ کے بچوں نے قرآن پاک کا حفظ مکمل کیا تھا،اس سلسلے میں ''تقریب تکمیل حفظ القرآن'' کا انعقاد کیا ہوا تھا،نمازِ مغرب گاؤں کی مسجد میں ادا کی ،اس موقع پر گردونواح سے متعلقین سلسلہ عالیہ رائے پور موجود تھے۔نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی۔اس کے بعد تقریب تھی ،اس موقع پر مفتی عبدالخالق آزاد نے ''عظمتِ قرآن'' پر خطاب فرمایا۔بچیوں کو قرآن حکیم کا آخری سبق مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب نے پڑھایا،آخر میں حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ العالی نے دعا فرمائی۔اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر قاری محمد اسلم صاحب کے گھر کھانا تناول فرمایا۔اس کے بعد اسی گاؤں میں حضرت اقدس رائے پوری جناب قاری محمد امین صاحب کے گھر میں قائم مدرسہ میں تشریف لے گئے وہاں بھی دینی تعلیم کے فروغ کے لئے دعا فرمائی۔اور چائے نوش فرمائی۔ یہاں سے فراغت کے بعد بورے والا شہر تشریف لائے۔اور خانقاہ کے قدیم متوسل حاجی محمد امین صاحب (اکرم بوٹ ہاؤس والے) کے گھر ان کے انتقال پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ان کے صاحبزادگان طلحہ شہزاد وغیرہ سے تعزیت کی ،مرحوم کا تعلق حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے زمانے سے خانقاہ کے ساتھ قائم رہا ہے،ان کے گھر دعا فرمائی۔رات کا قیام مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب کے گھر ہوا۔مؤرخہ 2 مارچ کی صبح ناشتہ کے بعد بہاولپور کے لئے روانہ ہوئے،مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب بھی ہمراہ رہے۔راستہ میں تھوڑی دیر کہروڑ پکا ٹھہرے۔وہاں حضرت قاری محمد اسماعیل صاحب کی عیادت کی۔اس موقع پر ان کے صاحبزادے، جناب قاری محمد عبد اللہ صاحب، جناب ڈاکٹر زاہد صاحب، جناب ڈاکٹر طاہر اور راؤ امان اللہ سے بھی ملاقات ہوئی۔02:30 پر بہاولپور میں جناب محمد اظہر صاحب کے مکان پر تشریف فرما ہوئے۔ان کے والدِ گرامی جناب حاجی نورالحق صاحب کا خانقاہ سے قدیم تعلق ہے، یہاں خانقاہ کے متعلقین نے حضرت رائے پوری کا استقبال کیا۔نمازِ ظہر پڑھ کر آرام کیا۔نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی ۔ کثرت سے احباب نے شرکت کی۔اس کے بعد احباب سے دینی موضوعات پر گفتگو رہی۔حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ العالی ،مفتی عبدالخالق آزاد صاحب، مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب سے احباب نے استفادہ کیا۔اگلے روز 3 مارچ کو صبح ناشتہ کے بعد احباب جمع ہوگئے۔مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب اور مفتی عبدالخالق آزاد صاحب سے نوجوانوں نے استفادہ کیا۔اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی خانقاہ کے قدیم متوسل جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمٰن ہمدانی صاحب کی عیادت کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ کافی دیر اُن سے ملاقات رہی، ڈاکٹر صاحب رائے پور کے حالات معلوم کرتے رہے۔اور انہوں نے حضرت اقدس رائے پوری سے دعا کے لئے درخواست کی۔حضرت نے دعا فرمائی۔اس موقع پر ان کے بھائی اور صاحبزادے عطاء الرحمٰن نے بھی حضرت اقدس سے ملاقات کی۔مغرب کے بعد مجلس ذکر میاں اظہر صاحب کے مکان پر ہوئی۔اس کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی نے SD ہائی سکول بہاولپور میں ایک عمومی سیمینار میں شرکت فرمائی ، سیمینار کا عنوان

بقیہ صفحہ ٦